متوازن شخصیت : تعلیم وتربیت کا نبوی اصول

Balanced Personality: As Principle of Prophetic Teachings for Character Building

ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم*

ABSTRACT

A child born with a soul of being, but has lack of personality. Actually personality comes with the effect of good education, guidance, squatter and environment in which a child lives. But literally due to the teachings of Hinduism or Buddhism or Christianity a human existence proves oneself with a personality. Even western civilization has an ideal concept of personality, but human personality has its very strong roots in Islamic teachings as Holy Qur'ān gives us a first-hand description about an "Ideal Personality".

According to the "Sunnah" of Prophet Muhammad (ﷺ) man has some qualities of "moderation" which can be the dominant in excess of his existence. So, man should establish equilibrium regards his personality. But there is need to create stability in education, society and politics on the basis of "moderation".

Islam lays a great emphasis on character building. Balanced personality is based on all the best qualities of head and heart. Our Holly Prophet's (ﷺ) personality is an excellent example of balanced personality.

In Islamic perspective just to accept the characteristics and Sunnah of Muhammad (ﷺ) can be equal to the modern word of personality. But have we absorbed the ultimate concept of personality? Which personality can we call an ideal personality? These two questions are very significant to wonder about on the concept of ideal personality. Every religion and civilization has its own true meaning of ideal personality, but besides all this according to Quran the ideal personality is concealed in a word "Sunnah". The article highlights on basic characteristics of ideal personality in the light of teachings of Holly Prophet (ﷺ). Balanced and Moderate personality is the basic principle of Prophets Teachings.

Keywords: *Personality, Superman, Charismatic Personality, Perfect person*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں جو تصور انسان پایا جاتا ہے وہ اس کی تعلیم و تربیت کا عکس اور مقصود ہوتا ہے، وہی انسان کسی بھی مذہب و ملت کا مقصود ہے، اسی تصور انسان کو مختلف ادیان و مذاہب میں مختلف نام دیے گئے ہیں جیسے انسان کامل، مافوق البشر اور فردِ حقیقی وغیرہ۔

یہ انسان کن خصائص و امتیازات کا حامل ہونا چاہیے ؟ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا تربیت یافتہ نوجوان کن خصوصیات کا حامل تھا؟ تفصیل طلب بحث ہے۔ اس مقالہ میں ان شاء اللہ اسی بات کا جائزہ لیا جائے گا۔

وجود و شخصیت میں فرق

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا وجود ہوتا ہے مگر شخصیت نہیں ہوتی۔ شخصیت تعلیم و تربیت، زمان و مکان اور ماحول کے اثرات کے تحت پیدا ہوتی ہے۔ ہندو مت ہو یا بدھ مت، یہودیت ہو یا نصرانیت، ان مذاہب کی تعلیمات کے نتیجہ میں انسانی وجود شخصیت میں ڈھل جاتا ہے۔ روشن خیالی کے فلسفہ کے زیر اثر معرض وجود میں آنے والی مغربی تہذیب بھی اپنا تصور شخصیت رکھتی ہے، اسی طرح اسلامی تعلیمات کے نتیجہ میں بھی انسانی شخصیت کا تصور پایا جاتا ہے جس پر قرآن و سنت شاہد ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا تربیت یافتہ فرد جن اوصاف کا حامل تھا اُن میں ''اعتدال'' کے وصف کو بنیادی اور مرکزی قرار دیا جا سکتا ہے جیسے دین و دنیا میں اعتدال، اخلاق و آداب میں اعتدال، تصور توحید و رسالت میں اعتدال وغیرہ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی وصفِ ''اعتدال'' کی بنیاد پر تعلیم و تربیت، معاشرہ و سیاست استوار کرنے کی کوشش کی جائے۔

لفظ شخصیت جس کو انگریزی میں (Personality) کہا جاتا ہے۔ لاطینی لفظ (Personalitas) سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ ماسک ہے یعنی وہ نقلی چہرہ جو رومن تہذیب کے عہد میں ڈرامہ کے اداکار اپنے چہرہ پر چسپاں کر لیتے تھے۔ جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ لفظ ظاہری خد و خال اور حرکات و سکنات کے لیے مستعمل تھا مگر یہ تصور لفظ ''شخصیت'' کے حقیقی معنیٰ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

شخصیت کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

> "The combination of characteristics or qualities that form an individual's distinctive character."(1)

> یہ بات واضح رہے کہ ''شخصیت'' ایک معروضی حیثیت رکھنے والا لفظ ہے، انسان جب مرتا ہے تو اس کا وجود رخصت ہوتا ہے مگر اس کی شخصیت لوگوں کے اذہان و قلوب میں قائم رہتی ہے۔

شخصیت اور اس کے مترادفات

شخص سے مراد تمام افعال کی اکائی، یکجہتی اور وحدت ہے۔ ''شخص'' ذی عقل کو کہا جاتا ہے، لہٰذا صرف روح

---

(١) Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, 4th edition, 7th impression, Oxford University Press, 1993, p. 923.

کو شخص نہیں کہا جاسکتا، صرف انسان ہی شخص ہو سکتا ہے اور مادی اشیا میں وہ بلند ترین ہستی ہے۔

اسلامی روایت میں لفظ "شخصیت" اگرچہ موجودہ معنی میں مستعمل نہیں ہے مگر اسلامی روایت میں سیرت، سیرت سازی، مزاج، مزاج نبوی میں ڈھلنا کا تصور پایا جاتا ہے جس کو موجودہ تصورِ شخصیت کا مترادف کہا جا سکتا ہے۔ مگر " شخصیت " کا آئیڈیل تصور کیا ہے؟ کون سی شخصیت آئیڈیل قرار دی جاسکتی ہے؟ ہر مذہب اور تہذیب اپنی تعلیمات اور وسائلِ تربیت کے نتیجہ میں ایک " آئیڈیل شخصیت " کا تصور رکھتی ہے۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے اور جو "شخصیت" کا قرآنی آئیڈیل تصور ہے، تو وہ لفظ "اسوہ حسنہ" میں پنہاں ہے، "اسوہ حسنہ" کا معنی بھی پیرہن اور لائق تقلید نمونہ کے ہیں، اس طرح اسلامی روایت میں "آئیڈیل شخصیت" کے تصور کی وضاحت کے لیے "انسان کامل" کے الفاظ بھی متداول ہیں۔

تعمیر شخصیت کے جدید مغربی نظریات

مغربی فکر و فلسفہ میں معروف فلسفی نٹشے[۱] (Friedrich Nietzsche) (م۔۱۹۰۰ء) کا "آئیڈیل شخصیت" کا تصور ما فوق البشر (Superman/Ubermensch) میں پایا جاتا ہے[۲]۔ موجودہ دور میں "شخصیت" کے تصور کی وضاحت کے لیے جدید انسان (Modern Man) اور روایتی انسان (Traditional Man) کی اصطلاحات بھی متداول ہیں۔

ایک عام انسان کے ذہن میں شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں:

الف۔ شخصیت کیسی ہوتی ہے؟ ب۔ شخصیت کیسی ہونی چاہیے؟

الف۔ شخصیت کیسی ہوتی ہے؟ اس لحاظ سے شخصیت فرد کے نفسیاتی اوصاف کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو مختلف اوقات میں اس کے کردار کے ظاہری اور پوشیدہ نمونوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح وُڈ ورتھ (Woodworth) کا کہنا ہے کہ "شخصیت فرد کے کرداری صفات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو اس کے خیالات کے اظہار، رویوں، دلچسپیوں، کارکردگی کے انداز اور نظریہ حیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں فرد کے تمام جسمانی مظاہر

---

(۱) نٹشے معروف جرمن فلسفی ہے جو ۱۸۴۴ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۰ میں وفات پائی۔ جن کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے۔ نٹشے نے مغرب میں مرگِ خدا کا تصور دیا تھا کہ اب جدید انسان کو خدا کے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عبادت گاہیں تو ہوں گی مگر عبادت کرنے والے کم ہوتے جائیں گے، اس کے لیے دیکھیے نٹشہ کی کتاب:

(۲) Nietzsche, Friedrich Wilhelm, Genealogy of Morals, trans. W. Kaufman, (New York: Random House, 1967).

The Gay Science: With a Prelude in Rhymes and an Appendix of Songs by Friedrich Nietzsche; translated, with commentary, by Walter Kaufmann (Vintage Books, March 1974).

اور پوشیدہ قابلیتوں کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے"۔[۱]

وجود کو کیسے شخصیت میں ڈھالا جائے ؟ اس کو کیسے سنوارا جائے کہ ایک بامعنی، اخلاق حسنہ سے مزین شخصیت پروان چڑھ سکے ؟ اس سلسلہ میں مغربی دنیا میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

الف۔ جبلی و فطری نظریہ (Instinctive in Nature)۔

ب۔ معاشرتی/ساختیت (Structuralism) کا نظریہ۔

ج۔ پرکشش نمونہ کا کردار (Role of Charismatic Personality)

جبلی و فطری نظریہ (Instinctive in Nature)

میکڈوگل (William McDogill) نے نظریہ جبلت پیش کیا تھا جس کے مطابق انسان کی فطرت میں تمام تر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں، نیز انسان کی ساری حرکات و سکنات کا سرچشمہ جبلتیں قرار پاتی ہیں۔ انسان کے ذہن میں بعض پیدائشی یا موروثی رجحان پائے جاتے ہیں جو کلی خیالات اور تحریکی قوتوں کا منبع ہیں، اسی پیدائشی و موروثی نفسی اور طبعی میلان کا نام جبلت ہے۔ اس میلان میں سخت قسم کی تصادمی قوت ہوتی ہے اور یہی ذہنی قوتیں ہیں جو انسان کی شخصی و معاشرتی زندگی کو برقرار رکھتی اور صورت بخشتی ہیں۔[۲]

معاشرتی/ساختیت کا نظریہ (Structuralism)

معاشرتی یا ساختیاتی نظریہ کے مطابق کسی شخصیت کی ساخت کو بنانے، سنوارنے اور نکھارنے میں اس کے متعلقہ گروپ اور معاشرے کے افراد کے عمومی رجحان اور رویوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انسانی فکر اور زندگی کا انداز اور طریقے معاشرتی طلب کے مطابق بن جاتے ہیں کیوں کہ سنورنا، نکھرنا اور پھر شخصیت میں ڈھلنا ایک معاشرتی ضرورت بن جاتی ہے۔

پرکشش نمونہ کا کردار (Role of Charismatic Personality)

اس نمونہ میں فرد ایک پرکشش ماڈل ڈھونڈ کر اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم کا تصور شخصیت

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم نظریہ جبلت اور ساختیاتی نظریہ کی بجائے تیسرے ماڈل کو ترجیح دیتا ہے۔

---

(۱) Woodworth R. S. & Marquis G.G, Psychology, London Methuer & co., 1988, p. 34.

(۲) McDougall, William, An Introduction to Social Psychology, J.W. Luce & Company, 1916, p. 35.

میکڈوگل، معاشرتی نفسیات، ترجمہ: مرزا محمد ہادی، طبع جامعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۲۷، ص: ۴۱

اس کے لیے قرآن کریم میں "اسوہ"، "اطاعت" اور "اتباع" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآنی اصطلاح اسوہ کا معنی بھی نمونہ (Model) ،مثال (Example) معیار اور سانچہ (Pattern) ہی کے ہیں۔ لفظ "اُسوۃ" اور "اِسوۃ" دراصل الفاظ "قُدوۃ، قِدوۃ"، "اِخوۃ" کے وزن پر ہے، جس کے معنی انسان کی اس حالت کے ہیں جس میں وہ دوسرے کا متبع ہوتا ہے، خواہ وہ حالت اچھی ہو یا بری، سرور بخش ہو یا تکلیف دہ۔ اسی لیے آیت کریمہ

﴿لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

میں لفظ "اُسوۃ" کی صفت "حَسَنَة" لائی گئی ہے۔ ابو البقاء (م۔ ۱۰۹۴ھ)(۲) لکھتے ہیں:

"الحَالَةُ الَّتِيْ يَكُونُ الاِنْسَانُ عَلَيْهَا فِيْ اِتِّبَاعِ غَيْرِهِ اِنْ حَسَناً وَاِنْ قَبِيْحاً۔"(۳)

ایسی حالت کو کہتے جس میں انسان کسی دوسرے شخص کی اچھے یا برے طریقے میں پیروی کرے۔

یہ وجہ ہے اردو اور انگریزی مترجمین قرآن کے لفظ "اسوۃ "کا ترجمہ "نمونہ" سے کرتے ہیں۔ عبد الماجد دریابادی ترجمہ کرتے ہیں: "تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔"(۴)

پکتھال ترجمہ مثال (Example) کے لفظ سے کرتے ہیں :

"Verily in the messenger of Allah ye have a good example for him".(5)

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اسوہ کے معنی "ماڈل"، "نمونہ" اور "سانچہ" کے ہیں تو قرآن کریم میں یہ لفظ تین نمونوں (ماڈلز) کے لیے استعمال ہوا ہے:

الف۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا اور پیروی کے وجوب پر استدلال کیا جا سکتا ہے ۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب:۲۱

(۲) ابو البقاء معروف ماہر لغت ہیں، اپنے عہد میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے، مسلکاً حنفی تھے، فقہ حنفی کے اصول و فروع پر کامل دسترس رکھتے تھے، بخوبی آگاہ، ۱۰۲۸ھ میں پیدا، اور ۱۰۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۳) کفوی، ابو البقاء، ایوب بن موسیٰ، الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویہ، تحقیق عدنان درویش و محمد المصری، ذوی القربیٰ، ایران، ۱۴۳۳ھ، ص:۹۴

(۴) دریا آبادی، عبد الماجد، القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی کراچی، لاہور، ص:۸۴۴

(۵) Pickthall, Mohammed Marmaduke, Quran: The Meaning of The Glorious Quran, New American Library, 2015.

''هَذِهِ الْآيَة الْكَرِيمَة أَصْل كَبِير فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ الله ﷺ فِي أَقْوَاله وَأَفْعَاله وَأَحْوَاله''۔ (١)

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام اقوال، افعال واحوال پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔

ب۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ بھی انسانوں کے لیے نمونہ اور ماڈل قرار دیا گیا ہے :

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَة حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَه﴾ (٢)

تمہارے لیے سیدنا ابراہیم اور ان کے شریکِ حال لوگوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔

ج۔ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آخرت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَة حَسَنَة لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (٣)

بے شک ان لوگوں میں تمہارے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔

اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے بعد ان انبیاء کی تعلیمات پر عمل پیرا اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے ساتھ ساتھ آخرت کی جواب دہی رکھنے والے یعنی اہل ایمان لوگ اسلامی معاشرہ کے لیے نمونہ قرار پا سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں صرف علوم ہی اگلی نسل کو منتقل نہیں کیے جاتے بلکہ نبی کریم ﷺ کا نمونہ بھی منتقل کیا جاتا ہے جو سنتوں کی شکل میں احادیث مبارکہ میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔

شخصیت کی تعمیر کا اسلامی منہج

انسانی شخصیت کی نشو و نما میں تصور کائنات، تصور انسان اور اس کا ماحول سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، یہ عناصر ثلاثہ ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس ذہن سازی میں تعلیم و تربیت ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

الف: اسلام دین فطرت

اللہ تعالیٰ کا ہر انسان سے تقاضا ہے کہ اس کا پسندیدہ فرد قرار پائے، اس لحاظ سے دین اسلام کی تعلیمات کا اگر

---

(١) ابن کثیر، ابو الفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، طبع دوم، دار طیبہ للنشر و التوزیع، ریاض، ١٩٩٩م، ٣٩١/٦

(٢) سورۃ الممتحنہ: ٣

(٣) سورۃ الممتحنہ: ٦

نظری طور پر جائزہ لیا جائے تو پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی واحد دینِ فطرت ہے کیونکہ انسان عدم اور وجود کی کشمکش میں رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ ظلم اور جہل اگر عدم کا نام ہے تو عدل اور علم وجود سے موسوم ہے، اسی طرح ایجاب اگر وجود کا نام ہے تو اس کے مقابل منفی اور سلبی ہونا عدم کہلاتا ہے۔ بچہ کی پیدائش دراصل اس کا عدم سے وجود میں آنا ہے تو وجودی چیز ہی اس کی سرشت کا جزو اور فطرت کا تقاضا بن سکتی ہے، عدم جس کے خانہ کو وہ خالی کر رہا ہے تقاضائے فطرت نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اسلام اور کفر میں اسلام وجودی ٹھہرتا ہے اور کفر عدم، کیوں کہ اسلام تمام انبیاء کو ماننے کا نام ہے اور کفر انکار کا نام ہے لہٰذا ان میں جو وجودی ہوگا وہ تقاضائے فطرت ہوگا، سلب اور نفی قطعاً تقاضائے فطرت نہیں ہو سکتا، اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْها﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے :

«عَنْ اَبِيْ هرَيْرَة قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلىٰ الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ» (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں پھر ان کے والدین ان کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں

اسلامی تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسی کامل شخصیت (perfect man) ابھر کر سامنے آئے جو معتدل اور متوازن (moderate) ہو۔ اسی طرح اسلام میں تعلیم و تربیت کا مقصد طبائع انسانیہ میں ایسا اعتدال پیدا کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کی فکر و عمل اور اخلاق میں موجود تھا۔ انسانی اعمال و افعال دراصل اخلاق کی فرع ہوتے ہیں یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور اعتدال کا محل اخلاق ہیں، جب کہ اخلاق تین قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں :

الف۔ قوت عقلیہ ب۔ قوت شہویہ ج۔ قوت غضبیہ۔

جن کا حاصل یہ ہے کہ اپنے نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کے لیے خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک وہ قوت کہ جس سے انسان اپنی منفعت و مضرت کو سمجھے، وہ قوت مدرکہ عقلیہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ قوت شہویہ کے ذریعے ہوگا۔ اسی طرح انسان ضرر کو دیکھ کر اس کو دفع قوت غضبیہ کے ذریعے کرے گا۔ ان تین قوتوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان اعمال کے مختلف درجے ہیں :

---

(۱) سورۃ روم:۳۰

(۲) مسلم، ابن حجاج، الامام، کتاب القدر، باب کل مولود یولد علی الفطرۃ، حدیث نمبر:۲۶۵۸، دار الغد الجدید، قاہرہ، ۲۰۰۷ء، ص:۹۴۶

الف۔ افراط ب۔ تفریط ج۔ اعتدال یا توازن

قوت عقلیہ کا درجہِ افراط "جربزہ" ہے، تفریط کا درجہ "سفاہت" کہلاتا ہے، جب کہ اعتدال کا درجہ "حکمت" کہلاتا ہے۔ اسی طرح قوتِ شہویہ کا درجہِ افراط "فجور" ہے تو تفریط کا پہلو "جمود" کہلاتا ہے اور اعتدال کا درجہ "عفت" ہے۔ قوتِ غضبیہ کا درجہِ افراط "تہور" ہے اور تفریط "جبن" ہے، جب کہ اعتدال کا درجہ "شجاعت" کہلاتا ہے۔ اس طرح یہ نو اوصاف ہوئے جو اخلاق حسنہ و رزیلہ کا حاصل ہے۔ اسلام کا مطلوب و مقصود انسان میں صفاتِ اعتدال یعنی حکمت، عفت اور شجاعت کا پیدا کرنا ہے، ان تین صفات کے مجموعہ کا نام "عدالت" ہے [1]، اسی لیے امتِ مسلمہ کا لقب امتِ وسط (Moderate Ummah) یعنی امتِ عادلہ و متوازن ہے۔

اسلام کے مقابل تمام مذاہب اور مغربی تہذیب انہیں درج بالا صفات میں افراط یا تفریط کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ رہبانیت اور جوگی پن کی صورت میں افراط کا پہلو اپنائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف معاصر مغربی تہذیب تفریط کا پہلو یعنی "وحی کے ذریعہِ علم ہونے کا انکار" کو اختیار کیے ہوئے ہے اور اسی پر نازاں ہے۔ اس طرح دنیا کے تمام مذاہب اور مغربی تہذیب سے ہٹ کر اسلام ہی انسانیت کے نام وہ واحد پیغام ہے جو اعتدال پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو شخصیت نشوونما پائے گی وہی متوازن اور معتدل شخصیت کہلائے گی۔ ایسی ہی شخصیت کو "انسان کامل" کا نام دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان اوصافِ حمیدہ سے مزین اور اللہ کی پسندیدہ شخصیت کے عملی نظائر قرآن کریم میں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں بُرے اور سرکش لوگوں کا ذکر کیا ہے اور اُن پر اپنی لعنت اور غضب کا اظہار کیا ہے تو دوسری طرف اپنے پسندیدہ لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان پر اپنی رحمت و انعامات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان میں انبیاء کرام، صحابہ کرام اور دیگر لوگ جیسے حضرت لقمان، اصحاب کہف وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہیں برگزیدہ ہستیوں کا عہدِ نوجوانی آج کے نوجوان کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی جن پسندیدہ شخصیات کو زیر بحث لایا گیا ہے اِن شخصیات کا مطالعہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کے لیے راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ دنیوی زندگی ہو یا دینی، سیاسی پہلو ہو یا اقتصادی، معاشرتی پہلو ہو یا تربیتی، خوشی ہو یا غمی، نامساعد حالات ہوں یا ساز گار، غرض زندگی کے نشیب و فراز سے متعلق اِن شخصیات سے عملی رہنمائی ملتی ہے۔

---

(١) قادر، سی، اے، اخلاقیات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ١٩٨٤، ص٢٢٩ اور تھانوی، اشرف علی، شریعت و طریقت، ترتیب: مولانا محمد دین، ادارہ اسلامیات، لاہور، دوسرا ایڈیشن، طبع ہشتم، ١٩٨١، ص: ٣١

ب:اعتدال سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات

آفاقی اقدار اور اصول میں سے ایک اصول معتدل و متوازن شخصیت سازی ہے۔ اعتدال زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات کا مقصد ہی عدل و توازن کا قیام ہے تو یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں ہو گی، ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "عدل" ہے۔ کائنات کی تخلیق اپنے اندر عدل کا پہلو رکھتی ہے، قرآن کریم کی تعلیمات کو اعتدال پر مبنی کہا گیا۔ انسان کی اپنی تخلیق میں عدل کا راز مضمر ہے، قرآن کریم میں انبیاء اور رسل کا مقصدِ بعثت اعتدال کا قیام بیان کیا گیا ہے، اس امت مسلمہ کو معتدل امت کے لقب سے نوازا گیا ہے، عبادات میں اعتدال کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے، معاملات زندگی میں عدل پر زور دیا گیا ہے، باقی مذاہب دنیا و آخرت میں سے ایک پہلو کو لیتے ہیں جب کہ اسلام دنیا و آخرت دونوں میں اعتدال رکھتا ہے، اس کی تعلیمات کسی ایک پہلو کی طرف جھکی ہوئی نہیں ہیں۔ جب اعتدال ہی زندگی کے تمام پہلو پر محیط ہے تو اعتدال ہی کے اصول پر شخصیت کی تعمیر انسانی زندگی کا خاصہ ٹھہر تا ہے۔

قرآن کریم میں دیگر ادیان و مذاہب اور فِرق و نظریات (جیسے الحاد و دہریت وغیرہ) کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے صرف دو ہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں :

الف۔ هَوَى۔ ب۔ غلو

ادیان و فرق کے دو ہی رویے سامنے آتے ہیں کہ یا تو وہ "ھواہ یا نفس پرستی" کا شکار ہو کر "اعتدال" کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں، یا وہ دین میں "غلو" کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں کیوں کہ قرآن کریم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء و رسل کی تعلیمات تو اعتدال پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیات کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جس میں "هَوَى" یعنی ذاتی خواہشات، نفسانی یا نفس امارہ کا اسیر ہو کر رہ جانا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ﴾ (۱)

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ذاتی خواہش کو الہ بنایا ہوا ہے۔

یعنی اپنی خواہشات ہی کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں "غلو" کے متعلق متعدد بار فرمایا گیا ہے:

﴿يٰاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ﴾ (۲)

اے اہل کتاب دین میں غلو مت کرو۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عیسائیت اور یہودیت ایک طرف اور الحاد و دہریت دوسری طرف نظر آئیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سورۃ الفرقان:۴۳

(۲) سورۃ النساء:۱۷۱

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِيْ الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ فِيْ الدِّيْنِ» (۱)

اے لوگو! دین میں حد سے بڑھنے سے بچو کیوں کہ تم سے پہلے لوگ دین میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«هلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، قَال ثَلَاثاً» (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دہرایا کہ حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہو گئے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَشُدُّوْا عَلىٰ أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّد اللهُ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْماً شَدَّدُوْا عَلىٰ أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ عَلَيْهِمْ،...» (۳)

اپنے اوپر زیادہ سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر سختی کرے گا کیوں کہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر بھی سختی کی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی فکر جو افراط یا تفریط کا شکار ہو، کا مقابلہ کیا اور ان کے سامنے اپنی اعتدال پر مبنی تعلیمات پیش کیں، جیسا کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے کہ جنہوں نے زیادہ عبادت اور زیادہ ریاضت کا اہتمام کرنے کا عزم کیا تھا کہ ایک صحابی نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھیں گے اور کبھی بھی روزہ نہیں چھوڑیں گے، دوسرے صحابی نے ساری رات عبادت کرنے کا عزم کیا اور کہا کہ وہ سوئے گا نہیں اور تیسرے نے ساری زندگی کنوارہ رہنے کا عزم کیا، ان صحابہ کرام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مخاطب ہوئے کہ:

«أَمَا وَاللهِ، إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (۴)

میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو میری سنت سے منہ پھیرے گا تو وہ مجھ سے نہیں۔

---

(۱) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب: قدر حصی الرمی، حدیث نمبر:۳۰۲۹، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، دار الرسالۃ العالمیہ، دمشق، طبعہ اول،۲۰۰۹، ۴/۱۶۳۔ محقق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب: ھلک المتنطعون، حدیث نمبر:۲۶۷۰، ص:۹۵۰

(۳) موصلی، ابو یعلی، احمد بن علی، مسند ابی یعلی، حدیث نمبر:۳۶۹۴، تحقیق: حسین سلیم أسد، دار المأمون للتراث، دمشق، طبع اول:۱۹۸۴م، ۶/۳۶۵

(۴) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر:۵۰۶۳، ادارہ اسلامیات، لاہور

نبی کریم ﷺ کے درج بالا ارشادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام بالخصوص نوجوان صحابہ کرام کی تربیت بھی اسی اصول پر فرمائی۔

«لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّىٰ يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ» (۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز جب تک بندہ پانچ چیزوں کے بارے میں نہ سوال کر لیا جائے اس کا قدم اللہ رب العزت کے دربار سے ہٹ نہیں سکتا۔ (پہلا سوال) اس کی عمر کے بارے میں ہو گا کہ عمر کس کام میں گزاری؟ دوسرا سوال اس کی جوانی کے بارے میں جوانی کہاں خرچ کی؟ تیسرا سوال اس کے مال دولت کے بارے میں کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ پانچواں سوال جو علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔

اس روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دین و دنیا ہر دو پہلوؤں میں اعتدال کا دامن پکڑے رہنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک نوجوان حد اعتدال سے گزر کر زنا کا مرتکب ہونا چاہتا تھا مگر نبی کریم ﷺ نے اس نوجوان کی بغیر سرزنش اور سختی کے بلکہ محبت اور خلوص سے تربیت فرمائی اور اعتدال کی تعلیم دی :

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تو اپنی ماں کے حق میں یہ بات پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: بخدا ہرگز نہیں، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ بدکاری پسند نہیں کرتے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا تو کیا تو اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کرنا پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا بخدا ہرگز نہیں یارسول اللہ ﷺ، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی یہ بات اپنی بیٹیوں سے پسند نہیں کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے پوچھا: تو کیا اپنے بہن کے ساتھ زناکاری پسند کرتے ہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں؟ اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی یہ بات اپنی بہنوں سے پسند نہیں کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تو کیا اپنی پھوپھی سے یہ

(۱) ترمذی، ابوعیسی، محمد بن عیسی، سنن، تحقیق: احمد شاکر وغیرہ، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع دوم: ۱۹۷۵ء، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی شأن الحساب والقصاص، حدیث نمبر: ۲۴۱۶، علامہ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے

بات پسند کرتے ہیں؟ اس نے کہا ہر گز نہیں؟[١]

اسی طرح درج ذیل روایت سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو حدِ اعتدال پر رہنے کا نسخہ تجویز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»[٢]

اے نوجوانو! تم میں سے جو کوئی شادی کر لینے کی قدرت و توفیق رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ فورا شادی کر لے کیونکہ نکاح کر لینا انسان کی نگاہ کو گناہوں سے دور کر دیتا ہے۔ نکاح کر لینا شرم گاہ کو بدکاری سے محفوظ کر دیتا ہے اور جو شادی کی قدرت و توفیق نہیں رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن کریم پر غور و فکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کا مقصود انسان کو شخصیت کے ایسے سانچہ میں ڈھالنا ہے جو زندگی میں اعتدال کے دامن کو تھامے رکھے وہ افراط کا شکار ہو اور نہ ہی تفریط کا۔ قرآن کریم کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں نظر آتی ہے۔ معیشت و تجارت، سیاست و معاشرت کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت بھی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور معاصر مغربی تہذیب سے الگ اور منفرد تصور حیات رکھتا ہے۔ ضرورت ایسے اقدامات اور نصاب تعلیم کی ہے کہ جن کے سبب آج کا ہر نوجوان مسلمان بالخصوص پاکستانی نوجوان زندگی میں افراط و تفریط کا شکار نہ ہو سکے۔

تجاویز و سفارشات

١۔ وجود انسان کے بعد تعمیرِ شخصیت از حد ضروری ہے تا کہ حضرت انسان کو معاشرے کا ایک اہم فرد بنایا جا سکے۔ دورِ حاضر میں نسلِ نو کے اہم مسائل میں سے ایک عدمِ تعمیرِ شخصیت ہے۔ نوجوان نسل کے پاس بے پناہ صلاحیتیں تو ہیں مگر وہ شخصیت نہیں جو ان صلاحیتوں کو مثبت راہ پر گامزن کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے وہ منفی راہ پر چل نکلے ہیں جس سے مسائل نے جنم لیا ہے۔ نسل نو کی تعمیر شخصیت کی پہلی ذمہ داری تو والدین کی ہے جن کی تربیت اسے فطرت سلیمہ پر مسلمان بھی بنا سکتی ہے اور یہودی و نصرانی بھی۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری ان اساتذہ و معلمین کی

---

(١) ابن حنبل، ابو عبد اللہ، احمد بن محمد، المسند، باقی مسند الانصار، حدیث نمبر: ٢٢٢١١، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، مؤسسۃ الرسالہ، طبع اول: ٢٠٠١م، ٣٦/٥٤٥

(٢) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع، حدیث نمبر: ٥٠٦٦

ہے جنہیں معمارانِ قوم کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے گوشت پوست کے انسان میں ایک حقیقی انسان کی بنیاد رکھیں اور پھر اس کی نشو و نما اس طرح جاری رکھیں کہ وہ ہرا بھرا اور تنا آور درخت کی صورت میں منظر عام پر آئے جس سے انسانیت صدی در صدی متمتع ہو۔

۲۔ تعمیر شخصیت کے مغربی افکار کو اپنا قبلہ و کعبہ بنانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تا قیام قیامت لائق اتباع ہے اس لئے آپ ﷺ کے ماسوا تمام تر نامکمل ، اور صرف آپ ﷺ اکمل و کامل ہیں، اب یہ ذمہ داری بھی اساتذہ و معلمین پر ہے کہ وہ مغرب زدگی سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نونہالان کی تعمیرِ شخصیت، محسن انسانیت کے نقش قدم پر کریں اس لئے کہ مغرب کے اعلیٰ دماغ جن موشگافیوں میں صدیاں الجھتے رہے، مسیحائے انسانیت نے پل بھر میں ان معموں کو حل کر ڈالا۔ یوں فلسفیانِ مغرب، اسوہ نبوی کے سامنے طفلِ مکتب نظر آئے۔

۳۔ تعلیمی اداروں میں تعلیم کا چرچا تو خوب ہے مگر تربیت کا دیوالیہ! افسوس جن اداروں سے نسلِ نو کی تربیت ہونا تھی، وہ خود تربیت کے حاجت مند ٹھرے ہیں۔ کمرشلائزیشن کی بھٹی نے ہر چیز سمیت اخلاقیات کو بھی بھسم کر ڈالا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادارے اپنی اخلاقی اقدار، از سر نو بحال کریں تا کہ افراد میں تعمیر شخصیت کی بنیاد رکھی جا سکے۔

۴۔ وہ افراد اور ادارے جنہوں نے اپنی زندگیاں تعمیر شخصیت میں صرف کر ڈالیں، کو زبردست خراج تحسین پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اگر یہ مہم ترغیبی پالیسی کے تحت زور شور سے چلائی جائے تو خواطر خواہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔